## نقد واستدراک

# نورِ محمدی کا دینی وتاریخی استناد

——— پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

اصطلاحات وتعبیرات کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایک معرکہ آرا بات کہی ہے۔ وہ محض ذوقی اور وجدانی چیز نہیں ہے، بلکہ خالص ٹھوس تجربہ اور اس سے زیادہ علم وتبحر پر مبنی ہے۔ وہ یہ ہے کہ علماءِ کرام ان تعبیرات واصطلاحات کے خاص دشمن بن جاتے ہیں جو ان کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ واقعہ یہ ہے کہ شریعت وطریقت دونوں میں جامد فکر والوں کا یہی رویہ ہے۔ صاحبانِ شریعت طریقت کے نام پر اتنا بھڑکتے ہیں کہ اس کی ہر چیز کو ذوقی، وجدانی اور شخصی تجربی چیز قرار دیتے ہیں۔ وہ ان میں سے کسی بھی چیز کو دینی، شرعی اور تاریخی استناد سے عاری اور غلط روایات پر مبنی بتاتے ہیں، خواہ وہ افکار واعمالِ طریقت کتاب وسنت سے کتنے ہی ہم آہنگ اور شواہدِ شریعت سے کتنے ہی مستند ہوں۔ غالباً یہ ردِ عمل کا انتہائی نتیجہ ہے، کیوں کہ اصحابِ طریقت اپنے غلو ومبالغۂ فکری وعملی میں انحرافات وبدعات تک کو شریعت، دین اور اسلام کی رو سے جائز وصحیح نہیں، بلکہ حقِ خالص ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ عمل وردعمل کی اس کشاکش میں حقیقت کھو جاتی ہے اور افراط وتفریط دونوں کی بن آتی ہے۔ علماء وفقہاءِ شریعت کی تمام تر تعبیرات بھی خالص شرعی، دینی اور تاریخی استناد نہیں رکھتی ہیں کہ ان میں بھی سہو ونسیان کے ساتھ کج روی اور غلط فہمی کا عنصر ہوتا ہے۔ تعبیراتِ شرعی ودینی ہی کا تو شاخسانہ ہے کہ فقہی، شرعی، فکری، دینی، عملی اور متعدد دوسرے اختلافات امتِ مسلمہ میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔[1]

تصوف وطریقت میں بھی ایسی ہی بہت سی چیزیں ہیں جو خالص ذوقی اور

وجدانی ہیں۔ ان کی بنیاد شخصی تجربات، نجی روحانیات اور ذاتی فکریات پر بلاشبہ ظاہر میں قائم نظر آتی ہے، لیکن ان تجربات وفکریات و روحانیات کی اندرونی اساس ان کے حاملینِ کرام کے دینی ادراکات پر ہوتی ہے۔ یہ دینی ادراکات ان کی فکر و تجربہ میں ان کے علمی تبحر، کتاب وسنت کے تمسک اور عبادات و ریاضات کی ممارست کی بنا پر پیوست ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ طریقت میں شخصی تجربات و افکار مختلف ہوتے ہیں اور بہت سے مشترک بھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح علمائے دین اور فقہائے شریعت اپنے دینی افکار اور فقہی وتشریعی استنباطات میں اختلاف و اتفاق دونوں کے عناصر واقدار رکھتے ہیں اور ان کی متعدد تفسیراتِ قرآنی اور تشریحات حدیثی بھی خالص ان کے ذوق وفہم اور ملکہ وعلم اور تبحر پر مبنی ہوتی ہیں۔

نورِ محمدی، حقیقتِ محمدی اور نبوتِ محمدی کی مختلف اصطلاحات وتعبیرات اہلِ طریقت میں زیادہ معروف ومقبول ہیں۔ متعدد اکابر صوفیہ نے، جو اسرارِ دین سے واقف اور کتاب وسنت کے متبحر تھے، ان کا ذکر اور ان پر بحث ومباحثہ محض ذوق ووجدان کی بنا پر نہیں کیا ہے اور نہ صرف واہی تباہی روایات کی بنا پر۔ فکر وفلسفہ اور ذوق ووجدان سے زیادہ ان کا انحصار کتاب وسنت اور تاریخ وسیرت کے شواہد پر ہے۔ ایک دل چسپ حقیقت اور کم معلوم واقعیت یہ ہے کہ کم از کم اس بحث میں متعدد اکابر محدثین اور اہلِ سیر بھی اس کے قائل ومعترف ہی نہیں، اس کے مفکر ومبلغ ومصنف بھی ہیں۔ ان کے افکار و تحقیقات سے باقاعدہ بحث کسی اور وقت ہوگی کہ وہ ایک الگ تحقیقی مقالہ کا موضوع ہے۔ سرِدست ان کا ذکر بطور حوالہ واستناد اس مقالے میں بھی آتا رہے گا۔ کیوں کہ اس میں فکر وبحث اور تحقیق وتدقیق کا ارتکاز کتاب وسنت اور سیرت وتاریخ کے شواہد سے اس کے استناد خاص پر ہے۔

## قرآنی اور تفسیری شواہد

قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ میں نبوت ورسالت کو خاص منشائے الٰہی پر مبنی

قرار دیا گیا ہے۔ ان کا ماحصل اور لبِ لباب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اپنی رسالت کا فضل وانعام ودیعت فرماتا ہے: "اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ"۔ سورۃ الانعام: ۱۲۴۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور بعض دوسرے مترجمین نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے "اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی رسالت کا اہل ہے"۔ اور تفسیرِ ماجدی ہے: "یعنی شرف رسالت کا اہل ہر کس وناکس نہیں ہوسکتا۔ مرتبہٗ رسالت کے ظرف واہلیت کا فیصلہ تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ان کافروں کا یہ مطالبہ کیسا احمقانہ ہے کہ انھیں بھی وہی سرفرازیاں حاصل ہوجائیں! آیت نے عقائد کے اس مسئلہ کو بھی صاف کردیا کہ ملکۂ رسالت کسبی نہیں وہبی ہے"۔ مولانا موصوف نے قرطبی اور روح المعانی کی عبارتیں نقل کرکے یہ بتایا ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں لفظ 'حیث' ظرف نہیں، بلکہ اسم ہے اور اس سے مراد 'اہل الرسالۃ' ہیں۔ اس کے بعد اپنے مرشد تھانویؒ کا ایک تبصرہ نقل کیا ہے جو ذوقی نہیں ہے: "مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ استعدادِ ذات حصولِ فیضان کی شرطِ عادی ہے"۔ حضرت تھانویؒ کے مرشدانہ بیان القران سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ وہ صرف صوفیانہ فکر وفلسفیانہ بیان ہے، بلکہ ملکہ/ استعدادِ نبوت کے اس حقیقت مندانہ بیان کی تائید وتشریح متعدد مفسرین ومحدثین سے بھی ہوتی ہے اور صوفیائے کرام تو اس فکر کے قائل ومعترف ہیں ہی۔ مولانا مودودیؒ نے تو آیت کریمہ کا ترجمہ اسی معنی میں کیا ہے: "اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغام بری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے..." اگرچہ اس پر حاشیہ نہیں لگایا ہے۔[۲] حافظ ابن کثیر دمشقی کی عربی تفسیر مودودی تشریح کی پیش رو ماخذ لگتی ہے: "ای ہو اعلم حیث یضع رسالتہ ومن یصلح لہا من خلقہ..." حافظ موصوف نے اس کی تفسیر میں متعدد دوسری قرآنی آیات کریمہ کو بھی بیان کیا ہے[۳] جن میں ایک وہ بھی ہے جس کا ذکر اسی سورہ میں ہے اور جس پر مختصر بحث آگے آتی ہے۔

سورۂ انعام-۱۲۴ میں جو بیانِ الٰہی ہے وہ اسی طرح کافروں کے مطالبۂ سرفرازی کی تردید میں ہے اور بالکل یہی انداز واسلوب اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ/ اہل

طائف کے متکبرین کے مطالبۂ سرفرازی کے جواب میں اختیار کیا ہے: ''وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَـٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ. أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ الخ'' الزخرف: ۳۱-۳۲: ''اور کہتے ہیں، کیوں نہ اترا یہ قرآن کسی بڑے مرد پر ان دو بستیوں کے، کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی مہر...؟'' شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اپنے موضح القرآن میں لکھا ہے: ''یعنی مکے اور طائف کے کسی سردار پر''۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کو اپنی رحمت سے جوڑ دیا ہے اور یہ ارتباط خاص ہے جو یہ وضاحت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام کا انتخاب اپنی مرضی سے کرتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے منتخب رسولوں کی استعدادات کو دیکھتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ استعدادِ ذات بھی اسی خالق و مالک اور پروردگار کی ودیعت کردہ ہے۔ اور اس نے رسولوں کو خاص استعدادات کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، بالکل اسی طرح جیسے اس نے عام انسانوں کو مختلف استعدادوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے خاص اس موضوع پر حجۃ اللہ البالغہ میں بحث کی ہے اور نبوت کی استعدادات پر اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی بحث کر کے بتایا ہے کہ انبیاء کرام کی استعدادیں بھی باہم مختلف ہیں اور ان ہی کی وجہ سے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔ اس پوری بحث کا ماخذ و مرجع احادیث وحکمت ہیں۔[۹]

## رسولوں کا انتخاب

مختلف آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے انتخاب کے لیے 'اصطفیٰ' کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے صاحبانِ استعداد کے اندر بھی چن لینے کا کام کرتا ہے۔ اس خاص معنی کی ایک نمائندہ آیت کریمہ ہے: ''إِنَّ اللَّـهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ'' اللہ نے پسند کیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے گھر کو اور عمران کے گھر کو سارے جہان سے'' اور اس کے بعد کی آیت کریمہ بھی بہت اہم ہے: ''ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللَّـهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ'' آل عمران: ۳۳-۳۴'' کہ اولاد تھے ایک دوسرے کی اور اللہ سنتا جانتا ہے''۔ اس

پر مزید بحث آگے ایک اور نکتہ پر آتی ہے۔ بعض انبیائے کرام اور رسولانِ عظام کے 'اصطفا' وانتخاب سے متعلق آیات کریمہ بھی مختلف سورتوں میں ہیں۔ آل عمران: ۴۲؛ البقرہ: ۲۴۷؛ الاعراف: ۱۴۴؛ فاطر: ۳۲؛ البقرہ: ۱۳۰؛ الحج: ۷۵؛ص: ۴۷؛ ان میں سورۂ حج: ۷۵ بھی نمائندہ آیت ہے، جس میں واضح طور سے چن لینے کا ذکر ہے: ''اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً وَمِنَ النَّاسِ الخ'' اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں ...''۔ مولانا مودودیؒ کا سارا زور اس نکتہ پر ہے کہ وفد نصارائے نجران کے آنے کے وقت ان آیات کا نزول ہوا تھا، لہٰذا ان میں ارتکاز اس نکتہ پر کیا گیا کہ ''ان رسولوں میں سے کوئی بھی خُدا نہ تھا۔ ان کی خصوصیت بس یہ تھی کہ خدا نے اپنے دین کی تبلیغ اور دنیا کی اصلاح کے لیے ان کو منتخب فرمایا تھا''۔[۵] متعدد دوسرے مفسرین نے اصطفاء کا تعلق و زمانہ عالم ارواح اور ان کی عنصری خلقت سے بہت پہلے کے زمانے سے جوڑا ہے کہ یہ اصطفاء بھی علم وارادہ وفضل الٰہی سے وابستہ ہے: حافظ ابن کثیرؒ نے سورۂ آل عمران: ۳۳-۳۴ کے تحت وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بیوت (خاندانوں) کو تمام باشندگانِ زمین پر ترجیح دے کر منتخب کیا اور آل ابراہیم میں سید البشر خاتم الانبیاء علی الاطلاق محمد ﷺ ہیں[۶]۔ رسولِ اکرم ﷺ کا ذکر خیر اس آیت میں نہیں ہے، لیکن آپ شامل ہیں کہ یہ اصطفاء ازلی ہے۔

## استعدادِ نبوت رکھنے اور رسولوں کے انتخاب کا اولین مرحلہ

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور انسانوں میں سے اپنے رسولوں کا انتخاب کب کیا تھا؟ اس کا واحد جواب یہی ہوسکتا ہے کہ ان کا انتخاب دو مرحلوں میں کیا گیا: اول عالمِ امر میں، جو تخلیق کے مرحلے سے کہیں پہلے ہوا تھا، دوسرا عالمِ تخلیق یا خلق میں، جب ان پیغام بروں کو نشاۃِ عنصری عطا کی گئی، یعنی جب ان کو مادہ سے پیدا کیا گیا۔ ان دونوں عالمِ امر و تکوین اور عالمِ خلق و تخلیق کا ثبوت قرآن وحدیث کی بہت سی آیات وروایات سے ملتا ہے۔ اور نہ صرف پیغام بروں اور رسولوں کی نبوت، اس کی ان کی شخصی استعداد اور

رسولوں کے درمیان باہم تفاوتِ استعدادات اور متعدد دوسری چیزوں کا تعلق پہلے عالمِ امر وتکوین سے بتایا گیا، جو عالم خلق وتخلیق تک جاری ومربوط ہوا۔ عام انسانوں کو صلبِ حضرت آدم علیہ السلام سے اسی اول عالمِ امر وتکوین میں نکال کر اللہ تعالیٰ نے اپنی معبودیت وتوحید اور تمام انسانوں کی عبدیت وعبادت کا اقرار لیا تھا۔ اسے 'عہدِ الست' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سورۂ اعراف: ۱۷۲ میں فرمان الٰہی ہے: "وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنۢ بَنِىٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا۟ بَلَىٰ شَهِدْنَآ أَن تَقُولُوا۟ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَـٰذَا غَـٰفِلِينَ" نیز آیت کریمہ: ۱۷۳ "اور جس وقت نکالی تیرے رب نے، آدم کے بیٹوں سے ان کی پیٹھ میں سے ان کی اولاد، اور اقرار کروایا ان سے ان کی جان پر، کیا میں نہیں ہوں رب تمھارا؟ بولے البتہ، ہم قائل ہیں، کبھی کہو قیامت کے دن، ہم کو اس کی خبر نہ تھی ..." حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے موضح القرآن میں لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد نکالی، سب سے اقرار کروایا اپنی خدائی کا، پھر پشت میں داخل کیا..." (طویل حاشیہ ہے) مولانا دریابادی وغیرہ نے لکھا ہے کہ "یہ واقعہ عالم ارواح کا بیان ہورہا ہے"۔ مولانا موصوف نے قرطبی، بیضاوی، روح المعانی، تفسیر المنار وغیرہ کے اقتباسات سے بحث کی ہے۔ توحید الٰہی اور عبادت ربانی کا یہ انسانی اقرار خواہ لفظی رہا ہو یا معنوی یا اس کو سرشتِ آدم میں ودیعت کیا گیا ہو، بہر حال وجود کے اول مرتبہ کا معاملہ ہے اور وہ عالمِ امر ہے۔

رسولوں سے خاص میثاق وعہد لینے کا ذکر سورۂ احزاب: ۷ میں کیا گیا ہے: "وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ مِيثَـٰقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَـٰقًا غَلِيظًا" "اور جب لیا ہم نے نبیوں سے ان کا اقرار، اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے جو بیٹا مریم کا، اور لیا ہم نے ان سے گاڑھا اقرار"۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اپنے موضح القرآن میں حاشیہ لکھا ہے: "...ان پانچ پیغمبروں کو کہتے ہیں اولوالعزم کہ ان کی ہدایت کا اثر ہزاروں برس رہا اور جب تک دنیا ہے، رہے گا۔ ان میں پہلے نام فرمایا ہمارے نبی کا"۔ مولانا سید جلال الدین

عمری نے بھی اپنے ایک مضمون میں ان خاص انبیاء کرام کی اہمیت کا دوسرے مفسرین و مترجمین کی مانند ذکر کیا ہے، لیکن یہ نکتہ بھی واضح ہوتا ہے کہ میثاق سارے نبیوں سے لیا گیا تھا۔ اور ان پانچ اولوالعزم کا ذکرِ خاص ان کی اہمیت اور اثر کی بنا پر کیا گیا اور رسولِ اکرم ﷺ کو سرفہرست رکھا گیا کہ آپؐ سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں، جن پر تمام انبیاء کرام کی نبوت وفضیلت اور اہمیت درجۂ کمال کو پہنچی ہے۔ ان مباحث وحواشی میں یہ ذکر البتہ نہیں آیا کہ یہ میثاق حضرات انبیاء سے کس لمحہ میں لیا گیا تھا؟ اس کا جواب بھی یہی ہے اور یہی ہوسکتا ہے کہ یہ میثاق اللہ تعالیٰ نے ان سے عالمِ امر وتکوین میں لیا تھا، جیسا کہ متعدد مفسرین نے لکھا بھی ہے۔ انبیاء کرام اور ان کی اقوام سے میثاق لینے کا ذکر متعدد آیاتِ کریمہ میں ہے: آل عمران: ۱۸۷؛ البقرہ: ۸۳؛ الاعراف: ۱۶۹-۱۷۱؛ المائدہ: ۷ اور الشوریٰ: ۱۳، جن کا ذکر مولانا مودودیؒ نے زیر بحث آیت کریمہ کے ضمن میں کیا ہے۔ مولانا دریابادیؒ نے آیتِ کریمہ سورۂ آل عمران: ۱۸۷ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''یعنی ارواحِ انبیاء سے عہد لیا۔ عالمِ ارواح میں اس ناسوتی دنیا کے وجود سے قبل۔ یہاں یہ واضح رہے کہ جو احکام انبیاء کو ملے ان میں ان کی امتیں بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں''۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر اسی انداز سے کی ہے اور سورۂ احزاب: ۷ کی تفسیر میں اسی کی طرف رجوع کرنے کا حوالہ دیا ہے۔ مولانا تھانوی نے تفسیرِ سورہ آل عمران میں لکھا ہے کہ ''...محل اس عہد کا یا تو اول عالم ارواح ہو یا صرف دنیا میں وحی سے لیا گیا ہو...'' ان کا اصرار بھی عالم ارواح پر ہی ہے۔

## حضرت محمد ﷺ کا ارتباط انبیائے سابقین سے

رسولِ اکرم ﷺ کے تمام رسولوں کے بعد تخلیق کیے جانے کے باوجود سید المرسلین اور خاتم النبیین قرار دینے کا ذکر متعدد آیات واحادیث میں آیا ہے اور وہ ایک امرِ واقعہ بھی ہے، جو تاریخ سے ثابت ہے۔ سابق انبیائے کرام سے حضرت محمد رسولِ اکرم ﷺ کے اس خاص ارتباط کا ذکر معروف ہے اور مستند بھی۔ مگر آپؐ کا اپنے

پیش روانبیاء کرام سے ایک خاص ارتباط بھی ہے، جس کی کئی جہات ہیں:

۱- ایک جہت وہ ہے جس کا ذکر مولانا جلال الدین عمری مدظلہ العالی نے بہت مختصر طور سے یوں کیا ہے کہ ”مفسرین کے نزدیک اس میں یہ بات بھی شامل رہی ہے کہ وہ آخری نبی ﷺ کی بشارت دیں گے“۔ اس جہت کو دوسری تفاسیر اور ان کے مؤلفین کرام سے مستند و مدلل کیا جا سکتا ہے۔

مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے کہ ”... حضرت محمد ﷺ سے پہلے ہر نبی سے یہی عہد لیا جاتا رہا ہے اور اسی بنا پر ہر نبی نے اپنی امت کو بعد کے آنے والے نبی کی خبر دی ہے اور اس کا ساتھ دینے کی ہدایت دی ہے...“۔

مولانا تھانویؒ نے اس کا عنوان قائم کیا ہے: ”ذکر اخذ میثاق از انبیاء علیہم السلام بتصدیق دیگر رسل“ اور مختصر بحث کی ہے۔

۲- اس سے زیادہ اہم اور غالباً عظیم ترین جہت وہ ہے جس کا تذکرہ مفسرین کرام نے سورۂ آل عمران: ۸۱ کی تفسیر میں کیا ہے۔ پہلے آیتِ کریمہ اور اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے تاکہ بحث کے نکات پوری طرح واضح ہو جائیں:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰـهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوٓا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشّٰهِدِينَ.

اور جب لیا اللہ نے اقرار نبیوں کا، کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا، کتاب اور علم، پھر آوے تم پاس کوئی رسول کہ سچ بتاوے تمہارے پاس والی کو، تو اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کہ تم نے اقرار کیا؟ اور اس شرط پر لیا میرا ذمہ؟ بولے: ہم نے اقرار کیا: فرمایا: تو اب شاہد رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ شاہد ہوں۔

مولانا دریابادیؒ نے حسب معمول متعدد اکابر مفسرین بالخصوص صحابۂ کرام کے مذاہب و مسالک کا ذکر کیا ہے اور مختلف جہاتِ آیت کریمہ پر بحث ان کے اقوال کے

ذریعہ کی ہے۔ ان میں سے صرف رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں خاص خاص نکات کا ذکر کیا جا رہا ہے:

-'رسول'- اگرچہ نکرہ ہے، لیکن اشارہ ایک فرد معین کی جانب کر رہا ہے اور یہ اسلوب قرآن میں عام ہے۔ چنانچہ یہاں مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور صحابہ میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ اسی طرف گئے ہیں۔ مولانا موصوف کا یہ بیان قرطبی کی عبارت پر مبنی ہے۔ تفسیرِ کبیر امام رازی کی عبارت منقولہ سے یہی قول تابعین میں امام قتادہؒ اور امام سدیؒ سے بھی مروی بتایا گیا ہے۔ مولانا کا اس پر تبصرہ ہے کہ یہی مذہب عموماً اکابر مفسرین کا ہے۔ اور امام ابن کثیرؒ کی تفسیر کے علاوہ تفسیرِ کبیر اور تفسیرِ معالم کی عبارات سے بھی اس کو مستند بنایا ہے اور آخر میں اسی کا موید قول علامہ انور شاہ کاشمیری کا نقل کیا ہے۔ امام ابن کثیرؒ کا ایک تجزیہ نقل کرنے کے لائق ہے: "**فالرسول محمد خاتم الانبياء صلوات الله وسلامه عليه دائماً الى يوم الدين، هو الامام الأعظم الذى لو وجد فى أى عصر وُجد لكان هو الواجب طاعته المقدم على الأنبياء كلهم، ولهذا كان إمامهم ليلة الإسراء ... الخ**۔[۷]

- مولانا دریابادیؒ نے اس کے بعد عارفوں کا ایک قول نقل کیا ہے، جو صرف ان کا نہیں، دوسرے مفسرین کا بھی ہے "اور عارفوں سے یہ بھی منقول ہے کہ رسول حقیقی اور شارع مستقل تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ہیں اور باقی دوسرے انبیاء بہ طور آپ کے تابعین کے ہیں"۔ اس کے ذیل وتائید میں دو عبارتیں نقل کی ہیں:

- "**ذهب العارفون الىٰ انه ﷺ هو النبى المطلق والرسول الحقيقى والمشرع الاستقلالى، وان من سواه من الانبياء فى حكم التبعية له**" (روح)

- **فذكر أخذ الميثاق علىٰ بأنبيائهم بالإيمان برسول الله ﷺ**" (بحر)

اوپر حافظ ابن کثیرؒ کی نقل کردہ عبارت بھی اس کی تائید مزید کرتی ہے، اگرچہ اس کا ذکر تفسیر دریابادی میں نہیں ہے۔

عارفین ومفسرین دونوں کے مذکورہ بالا بیانات، جن میں دیگر اہل علم وتفسیر کے

اقوال کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے، بخوبی واضح کرتے ہیں کہ:

- تمام انبیائے کرام اپنے بعد میں آنے والے نبی مکرم علیہ السلام کی خبر دیتے رہے تھے اور اپنی امت سے ان کی تائید وتصدیق اور اعانت ونصرت کرنے کی ہدایت دیتے تھے۔

- وہ بطور خاص آخری رسولِ اکرم ﷺ ۔حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ ۔ کے ظہور و بعثت کی بھی بشارت دیتے رہے تھے اور اپنی اپنی امتوں کو آپؐ پر ایمان لانے، آپؐ کی تصدیق کرنے اور آپؐ کی حمایت ونصرت کی ہدایت دیتے رہے تھے۔

- دراصل ادارۂ نبوت پر ایمان وتصدیق کا یہ لازمی معاملہ ہے کہ تمام انبیائے کرام رسول آخرالزمان ﷺ کی بشارت اور بعثت وتعلیم نبوی کی تصدیق و ایمان کی ہدایت فرماتے رہیں۔ صرف اپنے بعد کے نبی مکرم علیہ السلام کی بشارت ونبوت پر ایمان وتصدیق سے ایمان واسلام کی تکمیل نہیں ہوتی، کیوں کہ ہر نبی پر اور خاص طور سے نبی آخرالزماں ﷺ پر ایمان وتصدیق کے بغیر انسان مسلم نہیں ہوسکتا۔ یہ منطقی اور تاریخی طور سے بھی ثابت ہے۔

- ختمِ نبوت اور افضلیتِ حضرت محمد ﷺ کا مشترکہ تقاضا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت و بعثت کا آغاز وتعین روز آفرینش بلکہ علم وارادہ الٰہی سے کیا جائے۔ تخلیق وفعلِ الٰہی کا معاملہ موخر ہونے کے باوجود اس کی حقیقت مسلّم ہے۔ عظیم مفسرین ومحدثین کی مذکورہ بالا تفسیرات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ میثاق روز اول لیا گیا تھا۔

- اسی طرح صرف یہ عارفانہ کلام اور صوفیانہ استدلال نہیں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ رسولِ حقیقی اور نبی مطلق ہیں اور سابق انبیاء کرام آپؐ کے تابعین تھے، یا حکمِ تبعیۃ میں تھے۔ تکمیلِ نبوت کا تقاضا بھی اسی اطلاق کا ہے۔

## دعائے خلیل کا اطلاق

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی مکہ مکرمہ کی بے آب وگیاہ وادی میں آبادکاری اور اس کے بعد تعمیرِ کعبۂ مشرفہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ ”پروردگار میں نے اپنی ذریت میں سے

ایک کو اس وادیٔ غیر ذی زرع میں بسایا ہے، تاکہ وہ نماز قائم کریں اور تو ان میں سے ہی ایک رسول مبعوث فرما، جو ان کے سامنے تیری آیات کریمہ پڑھے اور ان کو کتاب و حکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے، تو عزیز وحکیم ہے: ''رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلاً مِّنۡهُمۡ يَتۡلُو عَلَيۡهِمۡ آيٰتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَيُزَکِّيۡهِمۡ إِنَّکَ أَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَکِيۡمُ '' البقرہ: ۱۲۹۔ متعدد کیا، تمام مفسرین نے قطعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ اس دعائے ابراہیمی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی دعا بھی شامل تھی اور ان دونوں نے، بقول مولانا دریابادی، عرض کیا تھا کہ ''اے پروردگار! ہم دونوں کی نسل میں سے ایک امتِ مسلمہ (اپنی فرماں بردار امت) پیدا کر... کھلی ہوئی مراد نسل اسمٰعیل سے ہے... ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی نسلِ اسماعیلی۔ اور یہ جزء تاریخ سے اپنی جگہ ثابت ہے کہ صحیح النسب نسل اسماعیلی قوم عرب ہی میں رہ گئی تھی، اس لیے لازمی تھا کہ یہ پیغمبر عرب ہی میں پیدا ہوا۔ 'رَسُوۡلاً' ... گویا یہ اشارہ قریب بہ صراحت پہنچ گیا کہ وہ رسول ایک ہی ہوگا، متعدد نہ ہوں گے''۔ مولانا موصوف نے توریت کی کتاب استثناء ۱۸: ۱۵ سے ایک اقتباس نقل کیا ہے، جس کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے ان کو ان کے بھائیوں میں سے ان کی مانند ایک نبی کے پیدا ہونے کی اور اس کی اتباع کی ہدایت کی تھی۔ اور اس سے مراد بنو اسمٰعیل کے اندر پیدا ہونے والے واحد نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ مولانا موصوف نے توریت کی دوسری آیات کے علاوہ انجیل کی ایک آیت بھی اسی معنی کی نقل کی ہے، جو قرآن مجید کی سورہ صف: ٦ کی پیش رو اور مصدّق ہے۔

## تاریخی شہادت

محدثین کرام، اہل سیر، شارحین اور مفکرین سب نے اس تاریخی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ حضرت شاہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کے ''باب سیر النبی ﷺ'' میں رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں انبیاء کرام کی بشارتوں کا ذکر اسی دعائے براہیمی سے کیا ہے کہ آپ ؐ کا ذکر خیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کیا اور آپ ؐ کے علوئے شان کی بشارت دی

اور حضرات موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام نے بھی اور تمام انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم نے بھی آپ ﷺ کی بشارت دی۔ حضرت شاہؒ کا یہ بیان کتاب وسنت پر مبنی ہے۔۸

اس باب میں رسولِ اکرم ﷺ کے نسبِ مبارک کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جس کے بارے میں تمام اہل علم کا اتفاق و اجماع ہے کہ وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی صلب کے واسطہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک بلاشبہ پہنچتا ہے۔ اگرچہ امام بخاریؒ سمیت تمام محدثین اور دوسرے اہل سیرت نے صرف عدنان تک پیڑھیاں گنائی ہیں اور بعد کی پیڑھیوں پر اختلاف کا ذکر کیا ہے، تاہم یہ کسی نے نہیں کہا کہ آپ ﷺ نسلِ اسماعیلی-ابراہیمی سے نہ تھے۔ اس حقیقت کا اعتراف تو اسلام دشمنوں نے بھی کیا ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے بخاری کی 'کتاب مناقب الانصار' کے 'باب مبعث النبی ﷺ' کے ترجمۃ الباب میں نسب نبوی کا ذکر کر کے اس پر مفصل بحث مختلف مآخذِ حدیث وسیرت سے کی ہے۔۹

## نورِ محمدی کی بحث

اگرچہ صحاحِ حدیث میں رسولِ اکرم ﷺ کے نورِ نبوت اور اس کی صلب بہ صلب منتقلی کا ذکر نہیں آیا ہے، لیکن کتبِ سیرت اور دلائلِ نبوت میں اس کا ذکر بہت تفصیل سے ملتا ہے۔ ان میں غالباً سب سے قدیم اور اہم امام سیرت ابن اسحاق کی روایت ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے والد ماجد جناب عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی کی حضرت بی بی آمنہ بنت وہب زہری سے شادی سے قبل ایک خاتون نے جناب عبداللہ سے شادی کی خواہش کا ذکر کیا، جسے وہ قبول نہ کر سکے۔ بی بی آمنہ سے شادی کے بعد جناب عبداللہ نے اس خاتونِ مکرمہ سے ان کی تجویز کا ذکر کیا تو انھوں نے حضرت عبداللہ سے شادی کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ آج وہ 'نورِ جبین' عبداللہ میں نظر نہیں آتا جو کل تک نظر آیا کرتا تھا۔ اس عبارت/ واقعہ کے بارے میں بہت سی مشکلات و مباحث ہیں، بہرحال نورِ نبوت کے بارے میں صاف تصریحات ملتی ہیں، جیسے یونس بن بکیر کی روایتِ ابن اسحاق میں ہے...: ''فرأت نور النبوة فی وجهه ، فدعته الیٰ

**نـکـاحـهـا فأبی...**‘‘ ۔دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:”**ویـروی ان عبـدالـله بن عبـدالـمـطلب حين دعته المرأة الأسدية الیٰ نفسها لما رأت فی وجهه من نـور الـنبوة، ورجت أن تحمل بهذا النبی، فتكون أمه دون غيرها ... الخ**‘‘ ابن اسحاق/ ابن ہشام اوران کے شارح سہیلی کی روایات اور حواشی میں اس پر بہت مفصل بحث ہے۔۱۰؎ مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے لکھا ہے کہ ’’یہ روایت دلائل ابی نعیم میں چارطریقوں سے اورطبقات ابن سعد میں تین طریقوں سے مذکور ہے،جس کے بعض راوی ضعیف بھی ہیں،لیکن جو روایت اس قدرمختلف طریقوں سے مروی ہو...تب بھی محدثین کے نزدیک مقبول ہے‘‘۔مزید بحث کر کے لکھا ہے کہ ’’یہ روایت تاریخ طبری ج ۲، ص ۱۷۵میں بھی سند کے ساتھ مذکور ہے،جس کے اکثر راوی بخاری کے راوی ہیں‘‘۔۱۱؎

اس پر مزید بحث کی جاسکتی ہے،لیکن اس سے زیادہ مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ نورمحمدی کی صلبِ آدم سے منتقلی ایک واقعہ ہے،جس کی شہادت روایت و درایت دونوں کے مآ خذکرتے ہیں۔

## صلبِ حضرت آدمؑ سے منتقلی: حدیثی شہادت

قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ سے بالعموم اور خاص آیاتِ ’اصطفاء‘ سے بالخصوص یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذریتِ آدم علیہ السلام صلبِ آدمؑ سے نکلی ہی نہیں، بلکہ نسلاً بعدنسلٍ وہ ایک صلب سے دوسری صلب میں تکوینی طور سے منتقل ہوتی رہی تھی۔’عہدِ الست‘ سے متعلق آیتِ کریمہ تو اس حقیقت کی برہانِ قاطع ہے۔اسی طرح تمام انبیائے کرام اپنی اپنی نسل اوراپنے اپنے زمانے میں اسی طرح صلبِ آدم سے منتقل ہوتے ہوئے اپنے خاص آباء کرام کی پشت سے ظہور میں آئے تھے۔یہ وہ بدیہی حقیقت ہے جس کے لیے مزید دلیل کی ضرورت نہیں، تاہم اس کے مزید استناد اور زیادہ تصریح کے لیے بعض احادیث کریمہ کا ذکرکیا جاتا ہے۔اس سلسلہ میں ذریتِ آدمؑ اور میثاقِ انبیاء کی احادیث پہلے زیربحث آچکی ہیں اوروہ بھی صلبِ حضرت آدم علیہ السلام سے آپ ﷺ کی منتقلی بتاتی ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کی ایک صحیح حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو منتخب کیا، کنانہ میں سے قریش کو منتخب کیا، قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب کیا۔ صحیح مسلم کی اس حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: ''**ان اللہ اصطفیٰ من وُلد ابراھیم اسمٰعیل و اصطفیٰ من وُلد اسمٰعیل بنی کنانۃ و اصطفٰی من بنی کنانۃ قریشاً و اصطفیٰ من قریش بنی ھاشم و اصطفانی من بنی ھاشم**'' : بہ روایت حضرت واثلہ بن الاسقع۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے غالباً سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کے صلبِ حضرت آدم علیہ السلام سے منتقل ہونے اور نسل در نسل آباء و اجداد کی پشتوں میں وارد ہونے کا ذکر کیا ہے۔ یہ پوری بحث بہت مدلّل بھی ہے۔۱۲

صحیح مسلم کی حدیث شریف اور اس کی شرح سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا وجودِ عنصری، جسے نور محمدی کہیے یا حقیقتِ محمدی، یا نبوتِ محمدی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک حضرت آدم علیہ السلام سے ہی منتقل ہوا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آپ کے والد ماجد کی صلب میں اور وقتِ وجودِ عنصری میں آپ ﷺ کی ذات میں آیا۔

## صوفیانہ تشریحات کی حدیث سے تائید

امام ترمذیؒ کی حدیث صحیح سے کہ آپ ﷺ اس وقت نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام روح و جسم کے درمیان اپنی تخلیق کے مرحلے میں تھے: ''**کنتُ نبیاً و آدم بین الروح والجسد**'' اور اس سے زیادہ امام بخاریؒ کی حدیث اہم ہے کہ '' میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبیین اس وقت تھا جب حضرت آدم اپنی طینت میں مرحلۂ ارتقا سے گذر رہے تھے: ''**إنّی عبداللہ و خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینتہ**''۔ ان دونوں احادیث بالخصوص حدیثِ ترمذی کی شرح میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ خالص حدیث سے ثابت ہے کہ حقیقتِ محمدی کے اعتبار سے وہ عالمِ امر کا معاملہ ہے اور وہ نبوت جس کا تعلق نشاۃِ عنصری (مادہ کی پیدائش) سے ہے وہ صرف حقیقتِ محمدی کے

اعتبار سے نہیں، بلکہ دونوں اعتبار سے ہے، یعنی عالمِ امر اور عالمِ خلق سے"۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مسئلہ کی ایسی وضاحت کر دی ہے کہ اسے ذوقی کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہا جاسکتا۔ ان کے نزدیک حقیقتِ محمدی سے مراد 'اولین تخلیقِ الہٰیؑ ہے اور اس میں نبوت محمدی سرِ فہرست ہے۔ تفہیماتِ الٰہیہ میں انھوں نے اس اولین تخلیقِ الٰہی کے تین نام یا تین تعبیرات پیش کی ہیں: اول زبانِ شریعت میں تمام اسماء کی انتہائی حد اسم اعظم ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا تھا اور اس کی تائید میں احادیث وروایات ہیں، دوم زبانِ تصوف وطریقت میں اسی کو حقیقتِ محمدی کہا جاتا ہے اور سوم فلسفہ کی زبان میں اس اولین تخلیق کو عقل کہا جاتا ہے۔ تعبیرات مختلف ضرور ہیں، لیکن ان سب سے مراد صرف یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی اولین مخلوق پیدا کی تو وہ کیا تھی؟ اسی 'اولین تخلیقِ الٰہی کو صاحبانِ فکر وفن نے الگ الگ نام دیے، لیکن کیا کوئی صاحبِ ایمان اس سے انکار کرسکتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت یا نور یا حقیقت اس اولین تخلیقِ الٰہی میں شامل بلکہ سرفہرست نہ تھی۔ قرآنی آیات، نبوی احادیث اور تاریخی و دینی شہادات کا ایک عظیم ذخیرہ حقیقت ونبوتِ محمدی کی اولیت کی گواہی دیتا ہے۔

امام ترمذیؒ نے 'ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ' کے مختلف ابواب میں دیگر متعدد احادیث نقل کی ہیں: حدیث: ۳۶۳۴ حدیث مسلم بروایت حضرت واثلہ بن الاسقع کے عین مطابق ہے، جسے حدیث حسن صحیح کہا ہے۔ حدیث: ۳۶۳۵ بروایت حضرت عباس بن عبدالمطلب میں رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی تخلیق وفضیلت کے بارے میں فرمایا کہ خلق کو اللہ نے پیدا کیا تو مجھے ان کے بہترین فرقہ میں پیدا کیا اور قبائل میں سے بہترین قبیلہ میں بنایا اور پھر تمام خاندانوں میں سے بہترین خاندان (بیت) میں بنایا۔ میں ان میں نفس اور بیت دونوں کے لحاظ سے بہترین ہوں۔ اسی طرح احادیث: ۳۶۳۶ اور ۳۶۳۷ میں آپؐ کے 'اصطفاء وانتخاب' کا ذکرِ خیر کیا گیا ہے۔ شارحینِ کرام نے اس فرمانِ نبوی کو تقدیرِ الٰہی سے اور روزِ آفرینش سے مربوط کر کے آپؐ کی نبوت کا آغاز مانا ہے اور اس میں حقیقت ونبوتِ محمدی دونوں کا معاملہ شامل ہے۔ یہی حدیث: ۳۶۳۸ کا

بھی مقصود ہے: ''**قالوا: یا رسول اللہ! متی وجبت لک النبوۃ؟ قال: و آدم بین الروح و الجسد**''۔ حدیث حسن صحیح غریب۔[۱۳]

ان تمام آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی اور روایاتِ تاریخی سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت و حقیقت اور اس کے آغاز و تقدیر و وجود کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہؒ کی تعبیرات بالخصوص اور دوسرے صوفیہ و فلاسفہ کی تعبیرات، جو ان دینی شواہد سے ہم آہنگ ہیں، بلاشبہ مضبوط ترین سند رکھتی ہیں۔ محض تعبیرات و اصطلاحات کے ظاہر سے ان کے استناد پر کسی طرح حرف گیری نہیں کی جا سکتی، کیوں کہ یہ تعبیراتِ محدثین کی تعبیرات سے کسی طرح الگ اور غیر مستند نہیں ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے متعدد ایسی احادیث و روایات کا ذکر کیا ہے اور مختلف مآخذِ حدیث سے کیا ہے جن میں حافظ ابونعیم اصفہانی کی کتاب الدلائل وغیرہ کی حدیث بھی ہے، جو ترمذی کی آخری حدیثِ مذکورہ کی تائید و تشریح میں ہے اور جس کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: ''**کنت أوّل النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث**''۔ اس حدیث صحیح کا واضح مطلب یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت خلق و تخلیق کے لحاظ سے اولین تھی اور ظاہر ہے کہ آپؐ کی حقیقت و وجود بھی تخلیقِ اولین تھی اور اسی کو نورِ محمدی کہا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ نورِ محمدی / حقیقتِ محمدی یا نبوتِ محمدی صرف حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ کی شخصی حقیقت و نبوت تک محدود نہیں ہے، بلکہ وہ تمام انبیاء کرام کی نبوت و حقیقت کو بھی مستلزم ہے کہ ادارۂ نبوت و رسالت اور حقیقت و نفسِ انبیاء تو ایک ہی نور سے مستنیر ہے اور اس میں رسولِ اکرم ﷺ کو سید المرسلین اور خاتم النبیین ہونے کی حیثیت سے تفوق حاصل ہے۔ اور یہ حقیقت کبریٰ تخلیقِ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے پہلے شروع ہوئی اور اصلاب انبیاء کرام سے گذرتی ہوئی شخص و ذاتِ محمدی ﷺ میں عالم خلق و پیدائش میں ہویدا ہوئی۔ قاضی ابوبکر بن العربی کی مالکیؒ نے متعدد آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی اور اشعار و روایاتِ تاریخی کی بنا پر صُلبِ آدمؑ سے وجودِ محمدی تک اس حقیقت و نبوت محمدی کی منتقلی کا ذکر کیا ہے۔ اس سے زیادہ رسولِ اکرم

ﷺ کی نبوت کے واجب ہونے کے زمانے سے بحث پر جو لکھا ہے وہ اس قسم کی تمام تعبیرات کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے: ''نبوت محمدﷺ کو اللہ تعالیٰ نے 'وجوہ کثیر' کے ساتھ واجب فرمایا۔ ا-علم الٰہی میں وہ واجب تھی کہ اللہ کو علم تھا کہ آپؐ نبی ہیں، جیسے بعد کی تمام موجودات واشیاء کا علم اسے تھا۔ ۲-قلم کی تخلیق کے وقت وہ واجب ہوئی کہ اس نے قیامت تک ہونے والے واقعات کو لکھا اور اس میں محمدﷺ کا ذکر آپ کی صفات کریمہ کے ساتھ تھا۔ ۳-حضرت آدمؑ کی مٹی سے تخلیق اور ہیئت کی درستی کے وقت بھی نبوتِ محمدیﷺ واجب تھی''۔ امام ابن العربیؒ نے اسی طرح دوسری روایات واحادیثِ بخاری وغیرہ سے اس کو مستند کر کے بیان کیا ہے۔ ان تمام تشریحاتِ محدثین کرام کے بعد صوفیہ و عارفین کی تعبیرات میں غرابت نہیں رہتی اور وہ سب مستند و مدلل بن جاتے ہیں۔

## حواشی ومراجع

۱۔ سلسلۂ بحث کے لیے ملاحظہ ہو مقالۂ خاکسار 'نبوت محمدی کی آفاقیت...'، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، اپریل- جون ۲۰۱۰ء اور اس پر مدیر گرامی کا نوٹ۔

۲۔ تفہیم القرآن، ۱/ ۵۷۹

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، طبع قطر ۲۰۰۷ء، ۲/ ۸۵۸

۴۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، باب اختلاف الناس فی جبلّتھم المستوجب لاختلاف أخلاقھم و أعمالھم ومراتب کمالھم، ۱/ ۲۶-۲۷: آیات کریمہ ہیں: قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ، ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ ۔ احادیث ہیں: اذا سمعتم بجبل زال عن مکانہ فصدّقوہ واذا سمعتم برجل تغیّر عن خلقہ فلا تصدّقوا بہ فانہ یصیر الیٰ ماجُبل علیہ؛ الا ان بنی آدم خلقوا علی طبقات شتی ... الخ، الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ ہو: حجۃ اللہ البالغہ کا باب حقیقۃ النبوۃ وخواصھا، ۱/ ۸۴ ومابعد؛ نیز تفسیر آیت کریمہ: تِلْكَ

الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ الخ جن میں رسولوں کی خاص استعدادات و ملکات کا ذکر واضح طور سے ملتا ہے۔

۵ تفہیم القرآن، ۱/ ۲۴۶-۲۴۷

۶ تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۴۰۴

۷ حوالہ سابق، ۱/ ۴۲۵

۸ ملاحظہ ہو کتاب خاکسار 'شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ سیرت' علی گڑھ، اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص ۳۵ وغیرہ بہ حوالہ بخاری و مسلم، کتاب الفضائل۔ بشارات انبیاء پر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب دیوبند، طباعت غیر مورخہ، ۳/ ۴۵۳-۴۵۵؛ مولانا مودودی، سیرت سرورعالم، دہلی ۱۹۸۹ء، ۲/ ۴۹ وما بعد میں آپ ﷺ کے خاندان ابراہیمی و اسماعیلی پر بحث ہے اور بشارات انبیاء کا بھی ذکر ہے؛ تمام دوسرے مفسرین کا بھی یہی حال ہے۔

۹ بخاری/ فتح الباری، مکتبہ دارالسلام ریاض، ۱۹۹۷ء، ۷/ ۲۰۴-۲۰۷ میں بیہقی، ابن اسحاق، تاریخ السراج، سہیلی، ابن سعد، ابن الانباری، زبیر بن بکار، ابن درید، زجاجی، ابوالفرج اصفہانی، ابن حبیب بغدادی کی کتاب المحبر، تاریخ بخاری وغیرہ سے روایات وشہادات نقل کی ہیں؛ نیز اہل سیرت کی مختلف کتابیں ملاحظہ ہوں۔

۱۰ سہیلی، الروض الانف، ۲/ ۱۴۱ او مابعد

۱۱ سیرۃ المصطفیٰ، ۱/ ۴۵

۱۲ محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی ۱۹۸۰ء، ۲/ ۲۱-۹۵ و مابعد؛ نیز شروح مسلم۔ حافظ ابن کثیر، تفسیر سورہ آل عمران: ۳۳-۳۴ کی تفسیر یں اس پر بہت عمدہ روایتی بحث ہے جو درایتی بھی ہے)۔

۱۳ سعید احمد پالن پور، تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی، مکتبہ حجاز دیوبند ۲۰۰۹ء، ۸/ ۲۶۶-۲۶۸؛ عبدالرحمٰن مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی شرح سنن الترمذی، مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن، غیر مورخہ، ۱۰/ ۵۳-۵۶ ومابعد؛ ابوبکر ابن العربی مالکی، عارضۃ الاحوذی شرح سنن الترمذی، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۳/ ۹۳-۹۹ ومابعد۔